گزشتہ جنگ میں تو پیکر جلے مگر اس بار۔۔۔عجب نہیں کہ یہ پرچھائیں بھی جل جائیں

تحریر: سہیل احمد لون

سفید مکان کا مکین چاہے کالا ہو یا گورا اُس کا مسلم ممالک کے معاملے میں دل اور خون بھی کالا ہی ہوتا ہے۔بش جونیئر و بش سینئر کی جنگی پالیسی کو براک حسین اوبامہ نے ویسے ہی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے جیسے ہمارے سیاسی اکابرین، منتخب سیاسی نمائندے اور اداروں کے سربرہان کرپشن کو جاری رکھتے ہیں۔یہ بات بہت افسوسناک ہے کہ امریکی صدر جس کے نام میں ''حسین'' شامل ہے عاشقانِ حسین کے ملک شام پر حملے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔شام پر حملے کی وجہ چند روز قبل وہاں مبینہ طور پر کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال سے ہونے والی اموات کو بنایا جا رہا ہے۔امریکہ نے شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کو سخت غیر اخلاقی فعل (Moral Obscenity) قرار دیا ہے۔شام پر باقاعدہ حملے کے لیے باراک اوبامہ امریکی کانگریس سے اجازت لیں گے جس کیلئے انہیں بہت زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ کانگرس کو وہ یہ پیغام پہلے ہی دے چکے ہیں کہ سلامتی کونسل کی اجازت کے بغیر بھی حملہ کیا جا سکتا ہے اور پھر افغانستان پر حملے کے وقت مسٹر بش نے کونسی اجازت لی تھی اور کس نے دی تھی؟ امریکی صدر جس وقت شام پر حملے کی بات کر رہے تھے تو اس وقت وائٹ ہاؤس کے باہر سینکڑوں افراد جنگ مخالف مظاہروں میں مصروف تھے۔کچھ ایسا ہی ردعمل پارلیمنٹ کے ممبران کا بھی ہے مگر اس کے باوجود امریکی صدر اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔امریکہ کے علاوہ برطانیہ، فرانس، جرمنی، آسٹریلیا، یمن، ترکی، اردن وغیرہ میں بھی عوام کی کثیر تعداد نے ممکنہ جنگ کے خلاف مظاہرے کیے۔بش انتظامیہ کو اپنی روایات برقرار رکھنے کے لیے ٹونی بلیر کی خدمات حاصل تھیں مگر براک اوبامہ کی قسمت اس لحاظ سے بری ثابت ہوئی ہے کہ باوجود اس کے برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر وفا کا پتلا بننے کو تیار تھے مگر برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران کی اکثریت کو اعتماد میں نہ لے سکے۔برطانوی ممبرز آف پارلیمنٹ نے سوشل میڈیا کے ذریعے عوام سے یہ پوچھا کہ انہیں شام پر حملہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس کے علاوہ دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی عوامی ردعمل لینے کی کوشش کی گئی۔عوام کی اکثریت اس حق میں نہیں تھی کہ برطانیہ پھر وہی غلطی دہرائے جس کی وجہ سے آج برطانیہ، یورپ سمیت دنیا کے اکثر ممالک کی طرح معاشی بحران کا شکار ہے۔روس کے صدر پیوٹن نے امریکی صدر کو امن کا نوبل انعام یافتہ ہونے کی یاد بھی دلائی ہے اور شام میں فوجی کارروائی نہ کرنے کی صورت میں اپنا ردعمل بھی ظاہر کر دیا ہے لیکن امریکہ اس وقت اپنے آپکو دنیا کی اکلوتی اور لاڈلی ریاست سمجھتا ہے جس کو سعودی حکمرانوں کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔امریکہ اس سے قبل عراق میں بھی اتحادیوں کی فوج لیکر خون کی ہولی کھیل چکا ہے مگر وہاں آج تک کیمیائی ہتھیار برآمد نہ ہو سکے۔افغانستان میں بھی جارحیت کا مظاہرہ کیا مگر آج تک نہ وہاں امن قائم ہو سکا اور نہ ہی جمہوریت .....!''امریکہ بہادر'' کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں کیونکہ جنگ تو خود ایک مسئلہ ہے۔اپنے مقاصد کے حصول کے لیے عسکریت پسند جنگجوؤں کو مسلح بھی کیا جاتا ہے اور خصوصی تربیت بھی دی جاتی ہے۔اپنے کام نکالنے کے بعد وہی مجاہدین، شدت پسند اور دہشت گردوں کی لسٹ میں شامل ہو جاتے ہیں۔شام میں مبینہ کیمیائی ہتھیاروں سے عام انسانوں کی ہلاکت قابل

مذمت فعل ہے۔ معاملہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اٹھایا جا چکا ہے جس میں امریکہ کی مرضی کا نتیجہ سامنے نہیں آ سکا۔ چین اور روس کی بھر پور مخالفت کا سامنا بھی ہے۔ ماضی میں بھی امریکہ اقوام متحدہ کے مخالف چلتا رہا ہے۔ اگر کیمیائی ہتھیار رکھنا اور ان کا استعمال کرنا بین الاقوامی جرم ہے تو اسلحے کا سب سے بڑا بیوپاری تو امریکہ خود ہے۔ امریکی معیشت کا محور و مرکز ہی پینٹا گون ہے جہاں ہر اُس ذی روح کی تباہی کا سامان تیار کیا جاتا ہے جو منافع بخش نہیں۔ ہیروشیما، ناگاساگی میں گلاب کی پتیاں نچھاور نہیں کی گئیں تھیں اور نہ ہی افغانستان، عراق اور ویت نام میں امن کی فاختہ انڈے دینے گئی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جنگوں کا سلسلہ تو جاری رہا مگر تبدیلی یہ آئی کہ جنگ مسلمانوں کے ذریعے یا مسلمانوں کے خلاف کی گئی۔ عراق، افغانستان کے بعد کیا اب شام کی شامت آنے والی ہے؟ کیا امریکی جارحیت شام تک ہی محدود رہے گی؟ اس کے بعد ایران اور پھر پاکستان کی باری نہیں آئے گی؟ اگر یہ سلسلہ پاکستان تک پہنچ گیا تو کیا امریکہ کی دکھتی رگ چین کی سالمیت کو خطرہ لاحق نہیں ہوگا؟ اگر امریکی عوام وائٹ ہاؤس کے باہر اوبامہ کے جنگی عزائم کے خلاف مظاہرے کر سکتی ہے، برطانیہ کی پارلیمنٹ عوامی رائے کا احترام کرتے ہوئے ڈیوڈ کیمرون کی امیدوں پر پانی پھیر سکتے ہیں، روس کے صدر پیوٹن امریکی صدر کو اشتعال انگیزی سے باز آنے کا کہہ سکتے ہیں، چین امریکہ کے شام پر ممکنہ حملے کی مخالفت کر سکتا ہے تو ہم اپنی باری آنے کا انتظار کیوں کر رہے ہیں؟ دنیا میں تقریباً پچاس کے قریب مسلم اکثریت والے ممالک ہیں جن میں پاکستان، ایران، ترکی، سعودی عرب جیسے دفاعی لحاظ سے مضبوط ممالک کے علاوہ مالی لحاظ سے بہت مستحکم ممالک بھی شامل ہیں۔ دنیا کے تین بڑے مذاہب میں اسلام بھی شامل ہے جبکہ آبادی کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کی تعداد ایک ارب چالیس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس کے برعکس اگر یہودیوں کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد لاہور میں بسنے والے شہریوں سے بھی کم ہے مگر امریکہ بہادر بھی ان کی مرضی کے خلاف جانے سے خوف محسوس کرتا ہے۔

آج انفارمشن ٹیکنالوجی کے دور میں میڈیا کی جنگ (Media War) بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس وقت دنیا کے ذرائع ابلاغ کے بیشتر بڑے ادارے یہودیوں کی ملکیت ہیں یا اُن کی مرضی اور منشا سے چل رہے ہیں، دنیا کی بیشتر بڑی کمپنیوں کے مالکان بھی یہودی ہیں، یعنی دنیا کی معیشت اور ذرائع ابلاغ میں یہودیوں کی اجارہ داری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود گزشتہ ایک صدی میں سینکڑوں سائنسدان، محقق اور دانشور تاریخ کا حصہ بنے اور دوسری طرف مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ تو ضرور ہوا مگر سوچ، افکار، تحقیق اور باہمی اتحاد میں برق رفتاری سے کمی آتی گئی۔ گند صاف کرنے کے لیے تنکوں کو اکٹھا کر کے جھاڑو بنایا جاتا ہے اگر تنکے ہی بکھر جائیں تو وہ خود گند کا حصہ بن جاتے ہیں۔ گندگی کے ڈھیر جتنے مرضی بڑھ جائیں ان کی قدر و منزلت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ چند ہزار گورے برصغیر پاک و ہند کے کروڑوں لوگوں پر حکمرانی کرتے رہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اصلی طاقت تعداد کی نہیں بلکہ ذہنی معیار کی ہے۔ عالمی جنگوں میں ایک دوسرے کے حریف آج متحد ہو کر بیٹھے ہیں تو کیا ہم خانہ جنگی، فرقہ واریت، نسل پرستی، قومیت اور ذاتیات کے بھنوروں میں ہی پھنسے رہے گے؟ شام اور مصر کی خانہ جنگی بیرونی جارحیت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اگر آج شام کی شامت آتی ہے تو کل مصر، ایران، پاکستان کی بھی باری آ جائے گی۔ اس وقت تمام مسلم ممالک کو اپنے تمام اختلافات بالائے طاق رکھ کر متحد ہو کر امریکی جارحانہ رویے کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ اس کے علاوہ علم و دانش میں بھی توجہ دینا لازمی ہے ورنہ ہر گزرتا دن ہمیں پستی اور شکست کی

طرف لے جا رہا ہے۔ ہمیں اپنی تہذیبی نرگسیت سے نکل کر حقیقت پسند ہونا پڑے گا۔ حضرت اقبال نے ٹھیک کہا تھا: ”تھے تو آبا وہ تمہارے ہیں مگر تم کیا ہو“ ہمیں پاکستان کو زاغوں کے تصرف سے روک کر اسے عقابوں کا نشیمن بنانا ہوگا۔ ہمیں جدید دنیا کے شانہ بشانہ چلنے کیلئے مکمل تیاری کے ساتھ میدان میں اترنا ہوگا۔ ورنہ جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ جنگ محدود نہ رہی تو پھر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ ساحر نے کہا تھا:

گزشتہ جنگ میں تو پیکر جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیں بھی جل جائیں

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com
02-09-2013.